سرکاری ملازمین، معیار انتخاب، بنیادی اوصاف اور ذمہ داریاں

*ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

Abstract

Morality does not allow anyone to use his high esteem or designation on a high post in any way that may harm the society or the social values that prevail in a particular society. Same are the teachings of Islam, the pioneer of highest values of morality. Actually Islamic teachings keep on alarming a person to be very careful when he has been given a high responsibility, higher the responsibility higher the care he should take.

Men of Public Service are the elite of a country 's system of responsibility. Any moral deficiency in the Public Service may lead to a chain reaction of dishonesty and ultimately to a social chaos. Islam teaches us not to be proud of our high posts, and especially Public Service demands very major improvements in a person 's morality. It is a high burden of responsibility that's why Holy Prophet (PBUH) taught us to be very careful while assigning these duties. A Public Servant must be a morally strong person because he is answerable to the Public and God Almighty himself for his actions and responsibilities. In the best times of Holy Prophet (PBUH) Sihaba(RA) were very reluctant to take a public responsibility even they were the best suitable persons for the jobs.

In this essay some golden principles from the pure teachings of Islam are presented those which may guide us to successfully accomplish our duties and responsibilities and by doing so, we may make our worldly life and life hereafter a far better one.

*صدر شعبہ علوم اسلامیہ، جی۔ سی یونیورسٹی، لاہور

Mainly three topics are comprehensively discussed:

A) The nature of Public Service and the standards in selection of a Public Servant.

B) The qualities of a Public servant.

C) The morality and its practice in Public Service.

In the end importance of time, Faith, Virtue, teaching of goodness and consistency upon it are discussed with reference to Surah Al-Asr.

اسلام کی تعلیمات ابدی اور لافانی ہیں۔ اسلام زمان ومکان کی حدود وقیود سے بالاتر ہونے کی وجہ سے ہر دور کی رہبری وراہنمائی کی تعلیمات عطا کرتا ہے۔ ہر شعبہ حیات کے لیے قرآن وسیرت نبوی میں بنیادی رہنما اصول موجود ہیں ان اصولوں کا ہر معاشرہ میں اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ ریاست، سیاست اور قیادت کے لیے بھی یہاں ایسے بنیادی نکات موجود ہیں جو ہر دور کے معاشرہ کی ناگزیر ضرورت ہیں۔ یقیناً جس پیغام ربانی کے اتمام و اکمال اور اس پر راضی ہونے کا اعلان کتاب حکمت نے کیا ہے اس میں یہ اوصاف کمالات ہونے چاہئیں۔ اس لیے اسلامی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں ''سرکاری ملازمین'' (Public Servants) کے پیشہ ورانہ فرائض و ذمہ داریوں کے حوالہ سے بہت سی اہم اور بنیادی ہدایات اور رہنمائی کے نکات موجود ہیں۔

دستور زمانہ تو یہ ہے کہ عہدے اور منصب ایک اعزاز سمجھے جاتے ہیں لیکن اسلام میں یہ عہدے اور منصب ایک ''امانت'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ نہایت اہم اور بنیادی فرق ہے جو ذمہ داریوں کی نوعیت اور عہدے دار کی حیثیت کو واضح کر دیتا ہے۔ اس ذمہ داری کی بجا آوری کے ہر پہلو کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا تصور ''منصب دار'' کو ''خدمت گار'' کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ یہ خدمت گار اپنے فرائض کی بجا آوری میں ہر لحہ لرزاں وترساں رہتا ہے کہ کہیں کوتاہی ہوگئی تو خدا کے سامنے، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امت کی وکالت کرتے ہوئے میرے خلاف، پیش ہوئے تو کیا جواب دوں گا۔ یہی وہ تصور تھا جس کی وجہ سے اکابرین امت کسی ذمہ داری کو قبول کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح ہدایات ارشاد فرمائیں کہ عہدہ یا منصب قبول نہ کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واضح ارشاد ہے:

اِنَّا وَاللهِ ! لَانُوَلِّی عَلٰی ھٰذَا العَمَلِ اَحَداً سَأَلَهٗ ، ولا اَحَداً حَرَصَ عَلیه(۱)

اللہ کی قسم ہم اس عمل پر کسی ایسے شخص کو عامل مقرر نہیں کرتے جو اس کا مطالبہ کرے اور نہ ہی اس کو جو اس کی تمنا کرے۔

اس حدیث مبارک نے اس حقیقت پر روشنی ڈالی کہ جب عہدے مطالبات اور لالچ کی بنیاد پر مانگیں جائیں گے تو معاشرہ میں بے اعتدالی اور افسران میں لوٹ مار کا رجحان زور پکڑے گا۔ ایسے لوگوں کو جو ان عہدوں سے گریز کریں ان کو ''خیر الناس'' قرار دیا ہے۔(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری کو یہ حقیقت بھی سمجھا دی کہ مناصب تو امانت ہیں اور کمزور کو یہ امانت سپرد نہیں کی جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے تو ایک یتیم کا متولی بننے کو بھی ناپسند فرمایا:

لاتَأَمَّرَنَّ علی اثنینِ ولا تَوَلَّیَنَّ مال یَتِیمٍ(۳)

یعنی اے ابوذر! تم کبھی دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کی سرپرستی قبول کرنا۔ عدم قبولیت کی وجہ ان الفاظ سے ظاہر ہے۔

وانَّھَا امَانَۃٌ ، وانَّھَا یَوْمَ القیامَۃِ خِزْیٌ وَندَامَۃٌ (۴)

یہ عہدہ امانت ہے اور (اگر اس کا حق ادا نہ ہو سکا) تو قیامت کے دن یہ رسوائی اور ندامت کا سبب بنے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم امت میں اس کی حرص کا پیدا ہونا بھی نگاہِ نبوت سے ملاحظہ فرما رہے تھے اور اس کو یوں بیان بھی کر دیا۔

اِنَّکُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَی الاَمَارَۃِ(۵)

کہ عنقریب تم امارت کے لیے حرص و کوشش کرو گے۔

جن لوگوں کو منصب قوم ان کی اہلیت و صلاحیت دیکھ کر دے، اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایات اس منصب کے تقاضوں کو ادا کرنے کے لیے شامل حال ہو جاتی ہیں۔(۶)

پھر دوسری طرف آپ نے اس صاحبِ منصب کے لیے جو لفظ استعمال فرمایا وہ ''راعی'' کا ہے۔ راعی جس طرح اپنے ریوڑ کو خود بھی نقصان نہیں پہنچاتا اور دوسرے کو بھی روکتا ہے اور اس کی نظر اپنے ہر جانور پر ہوتی ہے۔ راعی اپنے ریوڑ سے اس درجہ پیار کرتا ہے کہ ریوڑ کا ہر جانور اس کے اشاروں پر چلتا ہے۔ بالکل ''راعی'' کے اس اعلیٰ درجہ کے تعلق سے رعیت بھی راعی کے اشارہ ابرو پر جان وارنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ افسر ''راعی'' کے روپ میں ہو ''بیورکریٹ'' کی شکل میں نہ ہو۔ حدیث نبوی کے الفاظ یہ ہیں۔

اَلا کُلکُمْ راعٍ و کُلُّکم مَسْئُولٌ عَنْ رعِیَّتِہِ(۷)

ذمہ داریوں کی نوعیت کی جہت سے سرکاری ملازم ''راعی'' کی طرح ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق وہ اسلام اور پاکستان کا نمائندہ ہے۔ اسے اپنی ذمہ داریوں سے اس طرح عہدہ برا ہونا ہے کہ وہ فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے ایک اچھے مسلمان اور محبّ وطن پاکستانی کی شکل میں لوگوں کے سامنے ہو۔ اپنی اس حیثیت کو صرف پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں ہی ظاہر نہ کیا جائے بلکہ اس کی زندگی کے ہر میدان میں اس حیثیت کا عکس نظر آئے۔

حدیث جبرئیل (۸) سے یہ اہم نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ اعمال کی بجا آوری ''جذبہ احسان'' کے تحت ہونی چاہیے۔ اس کا یہ مفہوم تو بالکل واضح حدیث میں بیان ہوا ہے کہ شعور و وجدان میں یہ ہو کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں یا میرے اعمال کی انجام دہی کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں مگر ساتھ ہی اس ''طرز احسان'' میں یہ بھی شامل ہے کہ اپنے اعمال کو اس طرح انجام دیا جائے کہ وہ حسین و جمیل معلوم ہوں۔ ایک سرکاری ملازم اپنا تمام تر ''فائل ورک'' اور دیگر اعمال خوبصورت طریقہ سے سرانجام دے یہ حسن عمل خدا کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔ چونکہ سرکاری ملازم اخلاص و محبت سے ''امانت'' کی حفاظت میں اپنی ساری توانائیاں اس طرح صرف کرتا ہے کہ وہ ''مقام حسن'' پر پایہ تکمیل کو پہنچے اس لیے کہ سراپا جمال پروردگار کے ہاں ''عادل'' کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔(۹)

شریعت اسلامیہ میں اہلیت و صلاحیت کے حامل اور حرص و طمع سے بچنے والے لوگوں کو عہدہ و منصب کی امانت اس لئے سونپی گئی ہے کہ مقاصدِ شریعت کی اس طرح محافظت ہو کہ معاشرہ جنت کا نمونہ بن جائے۔ مقاصد شریعہ درج ذیل ہیں۔

(۱) تحفظِ دین: یعنی دین الٰہی کو ہر جہت سے نافذ کیا جا سکے۔ اللہ اور بندے کے درمیان تعلق ہر شعبہ میں قائم رہے۔

(۲) تحفظِ جان: لوگوں کے جان و مال کی حفاظت ہو سکے۔ قصاص و دیت کے قرآنی احکامات اسی مقصد کے لیے ہیں۔

(۳) تحفظِ عقل: عقل کا تحفظ شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے کیونکہ انسان اور جانوروں میں تمیز کرنے والی یہی قوت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے شراب نوشی اور منشیات کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(۴) تحفظِ نسل: خاندان کے ادارہ کی بقا کے لیے بدکاری پر پابندی لگائی گئی اور نکاح کا حکم دیا گیا۔

(۵) تحفظِ مال: مال کسی فرد کا ہو یا اجتماعی ادارہ و حکومت کا اس کا تحفظ لازم و ضروری ہے۔ قطع ید جیسی سزاؤں

کا یہی مقصد ہے۔

(۶) تحفظِ عدل: قیام عدل شریعت کے بنیادی اور اہم مقاصد میں سے ہے۔ اگر عدل ہوگا تو دیگر مقاصد شریعہ کی حفاظت ہو سکے گی۔(۱۰)

کہا جا سکتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں مختلف محکمے، منصب اور عہدوں کے بنیادی و اساسی مقاصد درج بالا ہیں۔ چونکہ یہ مقاصد بذات خود بہت اعلیٰ ہیں اس لیے اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل افراد کا تقرر ان مناصب پر کیا جانا چاہیے۔

سرکاری ملازمین کے انتخاب کے لیے رہنما اصول

قرآن کریم اور اسوہ حسنہ سے سرکاری ملازمین کے انتخاب کے لیے بعض بنیادی رہنما اصول سامنے آتے ہیں ان کی مختصراً وضاحت پیش کی جاتی ہے۔اس آیت کو بہرصورت اس معاملہ میں ایک بنیادی اور اصولی حیثیت حاصل ہے۔

''إِنَّ اللہ یا مُرکُمْ اَنْ تُؤدُّوا الأمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا''(۱۱)

(۱) علم:

اسلام میں علم کے حصول پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ گمان گذرتا ہے کہ اسلام اور علم ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔امام غزالی کے نزدیک دنیا اور آخرت میں سعادت کی بنیاد علم ہی ہے۔معلم انسانیت کی دعاؤں میں یہ دعاء بھی ملتی ہے:

اللھم انی اسئلک علمًانا فعا، وعملا متقبلا ورزقا طیبا(۱۲)

قرآن کریم نے طالوت کے انتخاب کی وجہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

ان اللہ اصطفٰہ علیکم و زادہٗ بسطۃ فی العلم والجسم(۱۳)

''**بسطۃ**'' سے مراد وسعت ہے۔افسران اپنے علم سے معاشرے کے لیے راہ سعادت کی نشاندہی کرتے ہیں۔لہٰذا اس طبقہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے مصالح ومفاسد کا علم رکھتے ہوں۔**بسطۃ فی العلم** سے مراد یہ بھی ہے کہ وہ اپنے علم سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں، حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ ''**انی حفیظ علیم**''(۱۴) سے ظاہر ہوتا ہے افسران کو اپنے شعبہ سے

متعلقہ امور کی مکمل آ گاہی بھی ہونی چاہیے۔

(ب) ذہنی وجسمانی صلاحیتیں:

افسران کا علم جس راہِ سعادت کی طرف رہنمائی کرے ان کے پاس اس کے اجرء وتنفیذ کے لیے مناسب ذہنی اور جسمانی صلاحتیں بھی ہونا ضروری ہے۔سورۃ البقرہ:۲۴۷ میں **بسطة فی العلم والجسم** سے یہی صلاحتیں مراد ہیں۔ بزدل اپنے علم پر عمل کرنے اور نافذ کرنے میں نا کام رہتا ہے۔اس آیت میں ایک اور لطیف نکتہ یہ بھی سامنے آ تا ہے کہ اگر افسر علم وعمل میں کامل ہومگر ماحول ساز گار نہ ہوتو اللہ ایسے ضروری اسباب پیدا کر دیتا ہے جوفرائض کی درست انجام دہی کے لیے ضروری ہوں۔**واللہ یؤتی ملکه من یشاء** (۱۵) سے یہ نتیجہ سامنے آ تا ہے۔

(ج) قوی اور امین:

حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں رکھنے کی یہ وجوہ بتائی ہیں:

قَالَتْ اِحدٰهُمَایاَبَتِ استاجِرْهُ اِنَّ خیرَمَنْ استأْجَرْت القَوِیُّ الاَمین(۱۶)

ان (دولڑکیوں میں سے) ایک نے کہا کہ ابا جان آپ اسے ملازم رکھ لیں کیونکہ بہترین ملازم جو آپ رکھ سکیں وہ ہے جوقوی اور امین ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر کی زبان سے جوالفاظ ادا ہوئے ہیں ان میں کسی کام کو ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنے کے لیے دو اہم ترین شرائط نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں بیان ہوئی ہیں اور وہ ہیں ''قوّت اور امانت''۔

یہ امر بدیہی ہے کہ قوّت سے مرادصرف جسمانی قوت ہی نہیں بلکہ اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ انسان میں محولہ کام کو سرانجام دینے کی استعداد ہومثلاً ایک قوی اور امین طبیب وہ ہے جو اپنے کام سے آ گاہ اور اس پر حاوی ہو۔

ایک قوی سر براہِ ادارہ وہ ہے جو اپنے فرائضِ منصبی سے خوب واقف ہودفتری کام کے مقاصد سے باخبر ہو،ترتیب کار اور پروگرام بنانے میں ماہر ہواور اس میں بقدر کافی ایجاد واختراع کی قابلیت ہو،کام کومنظّم کرنے کی مہارت رکھتا ہواس کے ذہن میں غایت کار واضح ہواور اپنی تمام طاقتوں کو مقصد تک پہنچنے کے لیے استعمال میں

لائے۔ وہ لوگ جو کسی کو کوئی ذمہ داری سپرد کرتے وقت صرف اس کی امانت اور درست کرداری پر قناعت کر لیتے ہیں وہ بھی اسی طرح غلط فہمی میں ہیں جیسے کہ وہ لوگ جو کسی کی مہارت خصوصی دیکھ کر اس پر بھروسہ کر لیتے ہیں۔ خائن ماہرین خصوصی اور بد دیانت واقفانِ کار ویسا ہی نقصان پہنچاتے ہیں جیسا کہ نااہل اور ناواقفان کار ایماندار لوگ۔ اگر ہم کسی ملک کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے انتظامی فرائض کو مذکورہ بالا گروہوں میں سے کسی ایک کے سپرد کر دیں سربراہ ادارہ خائن ہو اور صالح کردار لوگوں کو ذمہ داریوں سے محروم رکھا جائے۔ نتیجہ دونوں حالتوں میں ایک ہے۔ سورہ یوسف میں اسی مفہوم کو "**انی حفیظ علیم**" (۱۷) سے ادا کیا گیا ہے۔

سرکاری ملازمین کے کرداری اوصاف

اسلامی معاشرہ کا ہر فرد جس کے پاس کوئی عہدہ/منصب ہو یا نہ ہو اس میں درج ذیل بنیادی اوصاف ضرور ہونے چاہئیں اور صاحبِ منصب میں تو کمال درجہ پر ہوں۔

(۱) تقوی:

قرآن کریم نے کم و بیش ہر شعبہ حیات سے متعلقہ احکامات کے ساتھ تقوی کی قید ضرور لگائی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دین کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔ قرآن نے اخلاق و سیرت کے ہر گوشے کی تکمیل اس لفظ سے کی ہے۔ قرآن یہ پیغام دے رہا ہے کہ ہر خیر و خوبی کی طرف مسلسل قدم اٹھانے کی قوت دینے والا تقوی ہے۔ چونکہ ساری تگ و دو کا مرکز و محور یہ ہے اس لیے اسے "لباس" سے تعبیر کر دیا (۱۸) ہم "اللہ سے ڈرنا" "خدا خوفی" جیسے لفظوں سے اس کا ترجمہ کر کے اس لفظ کی وسعتوں کو سمیٹ دیتے ہیں۔ حقیقت میں تقوی عبارت ہے ہر اس کام سے بچنے سے جس سے خدا کی ناراضی کا خوف ہو۔ اس لیے اس کی کئی شاخیں: تقوی مالی، تقوی جنسی، تقوی اجتماعی اور تقوی سیاسی وغیرہ ہو سکتی ہیں۔ کسی نے اس مفہوم کو اس طرح ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

زندگی کی رہ پہ چل لیکن ذرا بچ بچ کے چل
یوں سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار دوش ہے

ایک اور شاعر کا کہنا ہے:

ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یاں
یہ کار گاہ ساری دکان شیشہ گر ہے

ملازمین کے لیے ہزاروں قوانین بنالیں اور نگرانی کے سیکڑوں طریقے دریافت کرلیں یا کیمرے نصب کر دیں کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوسکتا جب تک دل تقوی کی نعمت سے مالا مال نہیں ہو جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کا معروف واقعہ ہے کہ آپ رات گشت کر رہے تھے۔ ایک عورت اپنی بیٹی کو دودھ میں پانی ملانے کا کہہ رہی ہے اور بیٹی جواب دیتی ہے کہ امیر المومنین نے اس سے منع کر دیا ہے یعنی یہ قانوناً جرم ہے۔ ماں کہتی ہے کہ اب امیر المومنین تو نہیں دیکھ رہے۔ بیٹی نے جواب دیا کہ امیر المومنین کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے گویا قانوناً جرم کر لینے کا موقعہ تھا مگر تقوی نے روک دیا۔ تقوی کی اس حقیقت واہمیت کی وجہ سے قرآن کریم میں ''خیر الزاد ''(۱۹) کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ صاحبِ تقوی کو اللہ ایک فراست بھی عطا کر دیتا ہے جس سے حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت مل جاتی ہے(۲۰) اور کاموں میں بھی آسانی وسہولت پیدا ہو جاتی ہے(۲۱) اسلامی نقطہ نگاہ سے عمل و کردار کی اساس و بنیاد، محرک و سرچشمہ اور روح و جان تقوی ہے۔ ملازم جب تک صاحبِ تقویٰ نہیں ہوگا۔ فرائض کی انجام دہی بہتر طور سے نہ ہو سکے گی۔

خاص افسران کے حوالہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ واقعہ قابل توجہ ہے: آپ اکثر دعاء کرتے وقت روتے تھے اہلیہ نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: ''جب میں اپنے بارے میں غور کرتا ہوں کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ وسفید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں۔ اور بے کس، غریب محتاج، فقیر، گم شدہ قیدی اور اس قبیل کے دوسرے آدمیوں کو یاد کرتا ہوں جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اللہ اس بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی دلیل پیش نہ کرسکوں گا تو مجھے خوف لاحق ہو جاتا ہے اور میرے آنسو نکل آتے ہیں اور جس قدر میں ان چیزوں پر غور کرتا ہوں اسی قدر میرا دل خوف زدہ ہو جاتا ہے''(۲۲) یہ ہے تقوی سے احساس ذمہ داری کے شعور کی بیداری اور اس کو بہترین طرز پر کرنے کے جذبہ کا پیدا ہونا۔ جب یہ قوی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تو حکومت جسم پر نہیں دلوں پر ہوتی ہے۔ ہماری تاریخ کے کتنے روشن باب ہیں جو ظاہراً کوئی عہدہ نہیں رکھتے تھے مگر آج بھی ان کے تقوی کی وجہ سے دلوں میں احترام موجود ہے۔ ایسی ہی بادشاہی دیکھ کر ہارون رشید کی ایک کنیز نے بادشاہ سے کہا تھا کہ اصل بادشاہی تو عبداللہ بن مبارک کی ہے جو لوگوں کے دلوں پر ہے آپ کی نہیں جو زور و جبر سے قائم ہے۔

(۲)حیاء:

حیاء وہ وصف ہے جو برے کاموں کے ترک پر برانگیختہ کرتا ہے۔اس وصف کے ہوتے ہوئے قبائح کی طرف رجحان ممکن نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حیاء کا مقام ومرتبہ یہ بیان فرمایا کہ **الحیاء من الایمان** کہ حیاء تو ایمان کی ایک شاخ ہے(۲۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حیاء ''خیر'' کے جامع کلمہ سے بھی تعبیر فرمایا(۲۴)اور یہ بھی ارشادفرمایا کہ حیاء خیر ہی لاتا ہے(۲۵) گویا حیاء سرچشمہ خیر ہے۔ جب تک یہ وصف انسان میں موجود رہتا ہے وہ خیر کا پیامبر ہوتا ہے اور جب یہ وصف ختم ہوجاتا ہے ''ایمان'' اور ''خیر'' بھی خیر باد کہہ جاتے ہیں اس لیے ''ایمان اور حیاء'' کو جڑواں بھی قرار دیا گیا ہے۔(۲۶)

حیاء کی خوبی سے جب تک سرکاری ملازم متصف ہوتا ہے اسے نہ صرف عوام کی مشکلات و پریشانیوں کا خیال ہوتا ہے بلکہ اپنے دین اور وطن کا احساس بھی موجود رہتا ہے۔مگر جیسے ہی یہ سراپا خیر وصف غائب ہوتا ہے لوٹ مار کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔اور اس وقت اس ارشاد نبوی کی حقیقت عیاں ہوتی ہے۔ **اِنَّ مِمَّا أدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کلام النبوَّۃ الاولی: اِذا لَمْ تَسْتحِی فَاصْنَعُ مَا شئت** (۲۷)

الغرض حیاء خرابیوں کے خلاف ایک داعی اور محرک کے طور پر کام کرتا ہے۔کسی شاعر نے اس مضمون کو اپنے انداز میں اس طرح ادا کیا ہے۔

اذالَمْ تَخْشَ عاقبَۃَ اللیالی
ولَمْ تَسْتَحْیِ فاصنع ماتشآءُ
فَلاَو اللہِ مافی العیش خیرٌ
وَلاالدُّنیا اذا ذھبَ الحیآءُ
یَعِیْشُ المرءُ ما اسْتَحیٰ بخیر
ویبقی العُودُ مابَقِیَ الحیآء

تو راتوں کے انجام سے نہیں ڈرتا اور شرم نہیں کرتا تو جو تو چاہتا ہے کرتا رہ۔خدا کی قسم دنیا اور دنیا کی زندگی میں کوئی خیر نہیں اگر حیاء نہ ہو۔آدمی جب تک حیاء کے ساتھ ہے خیر کے ساتھ جیتا ہے۔اور شاخ (جو درخت سے توڑی گئی ہو) اس وقت تک (تروتازہ) رہتی ہے جب تک اس میں پانی موجود ہوتا ہے (جو اسے زندگی بخشنے والا تھا)۔(۲۸)

اطاعت واتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع کا حکم دیا ہے۔

حیات وموت کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو آزمایا جائے کہ کون ''احسن عمل'' سرانجام دیتا ہے۔ [الملک:۲] احسن عمل میں دوخوبیاں ہوتی ہیں ایک یہ کہ وہ خالص اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ اسی لئے صحابہ نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے تو آپ نے فرمایا الاخلاص .(۲۹)

دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع میں انجام دیا جائے۔ عمل کا ظاہر اور باطن ان دونوں خوبیوں کے بغیر ''احسن عمل'' کے مقام کو نہیں پاسکتا۔

قرآن کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع کا حکم ارشاد فرمایا۔ اطاعت تو حکم کی بجا آوری ہے جبکہ اتباع اس حکم کی تکمیل کے لیے ذوق وشوق سے ڈوب جانا ہے۔ عمل کی انجام دہی میں یہ فکر غالب ہو کہ چونکہ اس عمل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیا ہے، اس لیے میں بھی انجام دینا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ میں تجھے اس لیے چوم رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسہ دیا کرتے تھے۔(۳۰)

اقبال نے اس فکر کو ان الفاظ میں بیان کیا:

تو فرمودی رہ بطحا گرفتیم

وگرنہ جز تو، مارا منزلے نیست(۳۱)

قرآن نے تحویل قبلہ میں اس سر کو بیان کیا کہ اتباع رسول دیکھنا تھی کہ کون رسول کی خاطر قبلہ چھوڑتا ہے اور کون قبلہ کی خاطر رسول کو چھوڑتا ہے۔(۳۲) قرآن نے ''محبوب الٰہی'' بننے کو اتباع رسول سے مشروط کیا ہے۔ سیرت النبی کے مطالعہ سے اس حقیقت کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ یہ اطاعت واتباع زندگی کے ہر شعبہ میں مقصود و مطلوب ہے۔ تعبدی معاملات ہوں یا تمدنی وہ اتباع واطاعت کے دائرہ سے باہر نہیں ہوسکتے۔ آپ کی ''۶۳ سالہ'' حیات ایک معجزہ ہے۔ قومیں اور افراد ہزاروں گونا گوں مسائل کا شکار ہو جائیں حیاتِ نبوی کے یہ ماہ وسال، انسانیت کے لیے ''اسوہ حسنہ'' ہیں۔(۳۳) سورۃ الاحزاب میں ہے۔ **وَمَا كَانَ لِمؤمنٍ وَلَامؤمنة اذاقضى اللهُ ورسوله اَمْراً اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الخيرةُ مِنْ امرهم**.....(۳۴)

کسی مومن مرد کو اور نہ کسی مومن عورت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں

فیصلہ فرمادے تو وہ اس معاملہ میں اپنی مرضی کریں۔

آیت میں صرف یاایھا الذین امنوا کا عمومی خطاب نہیں بلکہ مومن مرد اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ خطاب کر کے کہا کہ جب اللہ اور اس کے رسول کا حکم آ جائے تو پھر کسی اسمبلی، کمیشن اور ادارے کے اختیارات سلب ہو جاتے ہیں۔اس آیت نے اطاعت واتباع کی بے پایاں وسعتوں کو کھول کر بیان کر دیا۔قرآن کریم تو ''ایمان'' کی دولت سے مالا مال ہی اسے سمجھتا ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے پر آئے تو پھر اجازت سے جائے۔ ان تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ایمان صرف آپ کو مان لینے کا نام نہیں بلکہ اطاعت واتباع سے عبارت ہے ابن قیم کی یہ عبارت قابل مطالعہ ہے۔''جو بھی سیر اور اخبار ثابتہ میں ذرا غور کرے گا تو اسے اہل کتاب اور مشرکین کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے متعلق کئی شہادتیں ملیں گی کہ یہ سچے رسول ہیں لیکن اس شہادت سے وہ لوگ اسلام میں داخل نہیں سمجھے جائیں گے۔معلوم ہوا کہ اسلام کی اس سے پرے کوئی حد ہے اور وہ صرف معرفت نہیں اور نہ ایمان فقط معرفت اور اقرار کا نام ہے بلکہ معرفت اور ظاہر و باطن میں طاعت وانقیاد کا نام ہے۔'' (۳۵) اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے افراد، وہ سرکاری عہدیدار ہوں یا عام شہری ہر ایک کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے، لیے حیاتِ نبوی کے ماہ وسال اور لیل ونہار بطور نمونہ سامنے رکھنے ہوں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات آپ کی سیرت کے نقوش یہ سب حیات مسلم کے لیے دائمی رہنما اصول ہیں اور ایک مسلمان ان رہنما نقوش سے ہٹ کر کسی مغربی طرزِ حیات سے رہنمائی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ صحابہ اور ہر دور کے مثالی اسلامی ادوار میں یہی رہنمائی کے بنیادی اصول مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے ہیں تہذیب اور تمدن کی بنیادیں بھی انہی اصولوں پر استوار کی جائیں گی کسی بھی صورت میں ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جائے گا۔قرآن کریم نے اسی لیے ہمیں حکم دیا۔

یاایھاالذین امنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ(۳۶)

اس رحمت عالم نے حسّاں کیا کیا نہ دیا انسانوں کو
دستور دیا، منشور دیا، کچھ راہیں کچھ موڑ دیئے

افسران کی کامیابی کے لیے رہنما اصول

(ا) کرنے کے کام

(ا) ماتحتوں پر شفقت و مہربانی:

افسر (Public Servant) اور ماتحت میں رشتہ ایک جسم کی طرح ہے۔ جسم کے تمام اعضاء ایک دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں جس سے بدن کا سارا نظام چلتا ہے۔ ہمارے ہاں نظام کو چلانے کے لیے شفقت و محبت اور مہربانی و نرمی کی بجائے سختی و درشتی و تندخوئی کو معیارِ افسری سمجھا جاتا ہے۔ مگر قرآن کریم سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور اعلیٰ قیادت کا جو وصف ہمارے لیے تجویز کرتا ہے وہ رفق و نرمی ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (۳۷)

پس صرف اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے۔ آپ درگذر فرمائیے اور ان کے لیے بخشش طلب کیجئے۔

اس آیت سے یہ اصول اور قاعدہ سمجھ میں آتا ہے کہ افسر اگر بے جا برسنے والا اور معمولی باتوں پر سختی اور مؤاخذہ کرنے والا نہ ہو بلکہ رحمت و افت کا رویہ رکھے تو لوگوں کے دلوں میں محبت بھی بڑھے گی اور ماتحت عملہ جذبہ محبت کے تحت حکم کی بجا آوری کرے گا۔ ظاہری کروفر، بے جا رعب و دبدبہ اور سختی، محبت کی بجائے نفرت پیدا کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی لیے آسانیاں پیدا کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ کی ایک دعاء کے یہ الفاظ افسران کے لیے قابل غور ہیں:

اللّٰهم مَنْ وَلِيَ مِنْ امرِ أمَّتی شيئًا فشقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَليه ومَنْ ولِيَ مِنْ امرِ أمَّتِي شيئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُق به (۳۸)

اے اللہ میری امت میں سے اگر کسی فرد کو امت کی کوئی ذمہ داری سونپی گئی اور اس نے امت پر سختی کی تو اے اللہ تو بھی اس پر سختی کر اور اگر اس افسر نے نرمی کی تو تو بھی نرمی کر۔

کسی کے لیے مشکلات پیدا کرنا اور سختی کا رویہ اپنانا آسان ہے لیکن آسانی و نرمی کی راہیں نکالنا مشکل ہے۔ آپ نے اسی لیے ایسے آدمی کو جو سخت گیر ہو اس کے لیے فرمایا۔

اِنَّ شَرَّ الرِّعَاء الحُطَمَۃُ فایّٰکَ اَنْ تکونَ مِنھُمْ (۳۹)

بے شک حطمۃ بدترین حاکم ہے پس ہو سکے تو اس سے بچو کہ تم ان میں سے ہو۔

''حطمۃ'' سے مراد ایسا شخص ہے جو انتظامی امور کا انچارج بنایا گیا ہو اور اس کی خاصیت ایسی ہو کہ وہ ظالم، خودغرض، اور لوگوں کو اپنے ظلم سے تباہ کرنے والا ہو۔

اسی حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک خط کے یہ الفاظ بھی قابل توجہ ہیں: ''اے عمال (گورنروں سے مخاطب ہیں) رعیت پر تمہارے اور رعیت کے تم پر حقوق ہیں، خدا بردبار حاکم کو بہت پسند کرتا ہے اور کوئی نفع اس نفع کے برابر ہمہ گیر اور عام نہیں ہوتا جو بردبار اور مہربان حاکم سے رعیت کو پہنچے، اسی طرح متشدد حاکم خدا کو سخت ناپسند ہے اور کوئی نقصان اتنا دوررس نہیں ہوتا جتنا وہ نقصان جو ایک احمق اور نامہربان حاکم سے رعیت کو پہنچے''۔(۴۰)

(۲) عزت نفس کا محافظ:

سرکاری ملازم، 'Public Servant' عامۃ الناس ماتحت اور اپنے افسران کی عزت نفس کے محافظ ہوتے ہیں۔ یہ وہ دولت ہے جس کی عزت و حرمت کعبہ کے تقدس سے بھی بڑھ کر ہے (۴۱) ہمارے دفاتر میں استہزاء، غیبت، حسد، برے القاب، بدظنی، تجسس جیسے مہلک ہتھیار ہیں جن سے عامۃ الناس، ماتحت اور افسران بالا کی عزت نفس کو مجروح کیا جاتا ہے۔ دراصل یہ معاشرہ اور دفاتر میں موجود منفی رویے ہیں جو پرامن ماحول کو ہی تہ و بالا نہیں کرتے بلکہ دفاتر اور معاشرے کو آگے بڑھنے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہونے سے روکتے ہیں۔ قرآن وسنت کا مطالعہ کریں تو وہاں ان قدروں کی تحسین وحوصلہ افزائی کی گئی ہے جو دفاتر اور معاشرہ کی کارکردگی میں اضافہ کرنے کا سبب بنتی ہیں مثلاً حسد سے منع کیا گیا مگر غبطہ کو اچھا سمجھا۔ حسد میں دوسروں سے نعمت کے چھن جانے کا تصور ہے اور غبطہ میں دوسروں کے پاس موجود نعمت پر اظہار مسرت کے ساتھ اپنے میں اس نعمت کے موجود ہونے کی تمنا ہے۔ تجسس اسلام کی نظر میں مذموم ہے جب کہ تجسس محمود ہے۔ تجسس میں دوسروں کے راز اور عیب ٹٹولنا ہے دوسروں کی نقائص اور کوتاہیاں تلاش کرنا ہے۔ مگر تجسس میں اچھائیاں اور خوبیاں تلاش کی جاتی ہیں۔ یہ جذبہ انسان کو سرچشمہ خیر ثابت کرنے کی تگ و دو سے عبارت ہے۔ یہی چیز معاشرہ اور دفتر کی ترقی کا سبب بنتی ہے۔ مگر ہم کسی کی فائل تجسس کے قبیح رویہ سے کھولتے ہیں تجسس کے جذبہ سے نہیں۔ ہم حسد کی آگ میں جلتے ہوئے کسی کی فائل کی ورق گردانی کریں گے رشک کی فکر آفریں قوت سے نہیں۔ (۴۲)

قصہ مختصر اسلام معاشرہ کے تمام اجزاء کو ایسی مادی اور روحانی ترقی کی طرف دھکیلتا ہے جس میں دوسروں

کے احساسات وجذبات تک کو قابل احترام سمجھا جائے۔ معاشرہ اور دفاتر جو ترقی اعلیٰ روحانی اخلاقی بنیادوں کو چھوڑ کر کرتے ہیں، وہ پانی کا بلبلہ ہوتی ہے۔

چند احادیث کے تراجم ملاحظہ فرمائیں:

(۱) بدگمانی سے بچو، گمان سب سے بڑی جھوٹی بات ہے، بھید نہ ٹٹولو، ایک دوسرے کی ٹوہ حاصل کرنے کی کوشش میں نہ لگ جایا کرو، حسد وبغض سے بچو، سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔(۴۳)

(۲) افسر اور بادشاہ جب اپنے ماتحتوں اور رعایا کی برائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے اور گہرا اترنا شروع کر دیتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا ہے۔(۴۴)

(۳) اے وہ لوگو! جن کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل ایماندار نہیں ہوئے تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنی چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کیا کرو۔ یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدہ خرابیوں کو ظاہر کر دے گا یہاں تک کہ تم اپنے خاندان میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔(۴۵)

(۴) جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک نوالہ حاصل کیا اسے جہنم کی اتنی ہی غذا کھلائی جائے گی۔ اسی طرح جس نے مسلمانوں کی برائی کرنے پر پوشاک حاصل کی اسے اسی جیسی پوشاک جہنم کی پہنائی جائے گی۔(۴۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات نے احترام آدمیت وانسانیت کا پیغام دیا ہے جس سے نفسیاتی الجھنیں ختم ہوتی ہیں۔ نفرت وحقارت کے دھارے تھم جاتے ہیں۔ فساد کے جراثیم اور افتراق کی قوتیں دم توڑ دیتی ہیں۔ افسران بالا کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی دوسروں کی عزتِ نفس کے محافظ بنیں اور دوسروں کو اس کی تلقین بھی کریں۔

(۳) مشاورت:

عربی میں **شرت العسل** کا معنی چھتے سے شہد نکالنا کے ہیں۔(۴۷) اسلامی معاشرت، دفتری یا وسیع سطح پر ریاستی ہو، اس کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ وہ باہمی صلاح مشورہ اور غور وفکر کے بعد نتائج تک پہنچتی ہے۔ جس طرح شہد کی مکھی رنگ برنگے پھولوں سے رس نچوڑ کر ایک نفع آور اور صحت افزا رس تیار کرتی ہے بالکل اسی طرح Public Servant کا رویہ ہوتا ہے۔ وہ عامۃ الناس اور دیگر عملہ کو پھول سمجھے اور ان سے آراء لے کر جو نتیجہ

نکالے گا وہ یقیناً شہد کی طرح بہتر اور عامۃ الناس کے لیے مفید اور نفع بخش ہوگا۔ قرآن کریم نے **شاورھم فی الامر** (۴۸) کہہ کر اسوۂ حسنہ کو بھی بیان کر دیا اور **وامرھم شوری بینھم** (۴۹) کے ذریعے مسلم سوسائٹی کے ذوق ومزاج کا تذکرہ بھی کر دیا۔ صحابہ کا طرز عمل بھی مشاورت ہی رہا۔ اس کے درج ذیل اہم فائدے ہیں۔

(۱) مشاورت سے فیصلہ کمالِ عقل کا مظہر ہوتا ہے۔

(۲) یہ درحقیقت دیگر ہم کار افراد کی حوصلہ افزائی اور ان کی استعداد کو جلا بخشنے کا ذریعہ ہے۔

(۳) مشاورت سے کئے گئے فیصلہ میں نقصان کم ہوتا ہے اگر ہو تو سب اہل مشورہ اس نقصان کے ازالہ کی اجتماعی کوشش کرتے ہیں۔

(۴) مشورہ باہم حسد کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

کس سے مشورہ کیا جائے؟ معروف اندلسی مفسر ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی (متوفی: ۶۶۸ھ) نے جو لکھا وہ آج بھی راہنمائی کے لیے کافی ہے وہ لکھتے ہیں:

''واجب علی الولاۃ مشاورۃ العلماء فیما لایعلمون وفیما اشکل علیھم من امور الدین وجوہ الجیش فیما یتعلق بالحرب وجوہ الناس فیما یتعتی بالمصالح ووجوہ الکتاب والوزراء والعمال فیما یتعلق بمصالح البلاد وعمارتھا''. (۵۰)

حکام پر واجب ہے کہ دینی معاملات میں علماء سے، جنگی امور میں قائدین لشکر اور ماہرین حرب سے، عام فلاح و بہبود کے کاموں میں سرداران قبائل سے اور ملک کی ترقی اور آبادی کے متعلق عقلمند وزراء اور تجربہ کار عہدے داروں سے مشورہ کریں۔

امام قرطبی نے یہاں یہ اشعار بھی نقل کئے ہیں:

شاور صدیقک فی الخفی المشکل
واقبل نصیحۃ ناصح مستفضل
فاللہ قد اوصی بذاک نبیہ
فی قولہ: (شاورھم و (توکل)(۵۱)

(ب) جن کاموں سے اجتناب کرنا ہے

(۱) رشوت:

قدیم برائیوں میں سے ایک رشوت ہے۔ پانچ سو سال قبل مسیح رومن سلطنت میں اس کا دور دورہ تھا۔ انتخابات جیتنے کے لیے رشوت اس دور میں بھی تھی۔ قدیم یونان میں بھی رشوت کا سرطان موجود تھا البتہ یہاں عدلیہ میں یہ وبا زیادہ تھی۔ عموماً رشوت کے جواز کے لیے ہم ضرورتوں میں اضافہ یعنی نظریہ ضرورت کا سہارا لیتے ہیں، مگر حقیقت تو یہ ہے کہ رشوت نئی ضرورتوں کو جنم دینے کے لیے ہے۔ اسی لیے اسلام نے ایک طرف اس پر پابندی لگائی اور دوسری طرف قناعت کے اخلاقی اصول کو پیش کر کے اس کے دروازے کو بند کر دیے۔ جس معاشرہ میں رشوت نفوذ کر جائے وہاں زندگی کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور ظلم وفساد، ناانصافی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ انسانیت کا احترام ختم ہو جاتا ہے اور مادیت میں انسان راسخ ہوتا جاتا ہے۔

رشوت کئی پرفریب ناموں سے رواج پا چکی ہے۔ اس کی ہر شکل اور ہر صورت کو اسلام نے حرام قرار دیا۔ اور رشوت جیسے گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو دوزخ کی سزا کی وعید سنائی۔ اس کی ظاہری شکل جو بھی ہو وہ ماہیت اور حقیقت پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔

(۲) تحائف وہدایا قبول کرنے سے اجتناب:

شریعت اسلامیہ کا معاشرتی اصول تو یہ ہے تحائف و ہدایا دیئے جائیں یہ باہم محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں۔ مگر Public Servant کے لیے اس کی سخت ممانعت ہے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں: ''ہدیہ لینے کا یہ جواز اس شخص کے لیے ہے جو مسلمانوں کے اعمال میں سے کسی عمل کے لیے متعین نہ ہو اور جو شخص کسی عمل کے لیے متعین ہو گیا، جیسے قاضی اور حاکم وغیرہ ان پر لازم ہے کہ یہ کسی سے ہدیہ قبول نہ کریں خصوصاً اس شخص سے جو اس منصب پر مقرر ہونے سے پہلے انہیں ہدیہ نہ دیتا ہو، کیونکہ ہدیہ دینے والا کسی کام یا قضاء کو اپنے حق میں کرنے کے لیے ہدیہ دیتا ہے اور یہ بھی رشوت کی ایک قسم ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن اللتبیہ کو مسلمانوں سے صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا جب وہ صدقات لے کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے لوگوں نے ہدیہ دیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کو ہم کسی جگہ کا عامل بنا کر بھیجتے ہیں اور وہ واپس آ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کا مال ہے اور یہ ہدیہ ملا ہے۔ یہ لوگ اپنی ماں

کے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے پھر یہ دیکھا جاتا کہ ان کو کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کسی جگہ کا عامل بنایا، ان کے پاس کافی مال جمع ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تمہارے پاس یہ مال کہاں سے آیا؟ انہوں نے کہا گھوڑوں کی نسل بڑھی اور لوگوں نے تحفے دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گئے پھر ہم دیکھتے کہ تم کو کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں اور وہ مال بیت المال میں داخل کر لیا۔ اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو منصب کی جہت سے کوئی ہدیہ ملے تو وہ رشوت ہے''۔ (۵۲)

(۳) اقربا پروری اور دوست نوازی سے اجتناب:

اسلام کا مجموعی مزاج یہ ہے کہ اہل خانہ اور اقربا کی ضروریات کو ہر صورت میں پورا کیا جائے صدقات بھی قریبی رشتہ داروں کو دینے کا ثواب دوہرا ہے۔ مگر یہ اپنے ذاتی وسائل سے کمائے گئے مال سے کیا جائے نہ کہ سرکاری خزانہ سے، بیت المال کے خزائن کے غلط استعمال کا یہ بھی ایک ذریعہ اور طریقہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں اس رسم پر اس طرح ضرب لگائی گئی۔ کہ آپ نے اپنے اہل بیت پر صدقات کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا تا کہ اس طرز عمل کو بھی کوئی اقربا پروری شمار نہ کر لے۔ شیخین میں سے ہر ایک نے اپنے اقربا کو جس طرح سرکاری وسائل سے دور رکھا اس کی مثال دنیا میں کہیں نظر نہیں آئے گی۔ حضرت ابو بکر نے یزید بن ابی سفیان کو شام کی امارت پر روانہ کرتے وقت نصیحت کی۔ ''اے یزید! وہاں تمہارے عزیز و اقارب ہیں ممکن ہے تم عہدے دینے میں ان کو ترجیح دو یہ وہ سب سے بری چیز ہے جس کا میں تم سے اندیشہ کرتا ہوں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا ذمہ دار ہو اور وہ محض رشتہ کی بنا پر ان پر کسی شخص کو امیر بنا دے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور اللہ اس کی طرف سے کسی فدیہ اور کفارہ کو قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ اس کو جہنم بھیج دے''۔ (۵۳)

اقربا پروری کے اس دور حاضر میں ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اسوہ حسنہ کو سامنے رکھنا چاہیے کہ تمام تر صلاحیتوں اور اہلیت کے باوجود آپ نے اپنے بعد کسی رشتہ دار کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ یہی طرز ہر Public Servent کے لیے نمونہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح ایک عہدے پر موجود دوست کا دوسرے دوست کو اصول وضوابط سے ہٹ کر نوازنا بھی مزموم وقبیح ہے۔

(۴)ذاتی اور سرکاری مال میں فرق کیا جائے:

سرکاری ملازمین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حکومت کی طرف مہیا کی جانے والی سرکاری کاموں کی سہولیات کو اپنے ذاتی کاموں کے لئے صرف نہ کریں۔ ذاتی اور سرکاری مال میں افسران فرق کریں کیونکہ امانت و دیانت اور جذبہ حب الوطنی کا یہی تقاضا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں تھے تو صحابہ صدقہ کے اونٹ استعمال نہ کر سکتے تھے آپ نے اپنے اس ملازم کو سرزنش کی جس نے آپ کی غیر موجودگی میں ان سرکاری اونٹوں کو استعمال کرنے کی اجازت دی۔ آج سرکاری گاڑیاں ہیں اور افسران اپنے تمام عزیز و اقارب کے لیے ان کا استعمال جائز ہی نہیں عین ثواب سمجھتے ہیں۔ بلکہ دفتر کے استعمال کی چیزیں بھی گھروں میں استعمال ہوتی ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں ایک آدمی سرکاری اونٹ جو ڈاک کے انتظام کے لیے تھا، اس پر کسی کو بٹھا لایا تو خلیفہ نے اس سے کرایہ وصول کرنے کا حکم فرمایا۔ (۵۴)

حضرت عمر بن عبدالعزیز جب تک سرکاری کاموں میں مشغول رہتے سرکاری شمع استعمال کرتے اور جیسے ہی فارغ ہوتے اس کو بجھا کر ذاتی شمع روشن کر لیتے۔ آپ فجر کے وقت گرم پانی سے وضوء کرتے غلام نے ایک دفعہ یہ پانی سرکاری کوئلوں سے گرم کر دیا تو آپ نے اس پانی سے وضوء کرنے سے انکار کر دیا۔

یہ جذبہ خدمت اور دیانت ہے جو سرکاری ملازمین میں مطلوب و مقصود ہے ہم نے شاید سرکاری خزانے کو ذاتیات کے لیے جتنا استعمال کیا اتنا سرکاری امور کے لیے نہ کر سکے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ سرکاری وسائل کی حتی الامکان حفاظت کی جائے اور یہ افسران کی ذمہ داری ہے۔ کہ وہ ان کو ضائع ہونے سے بچائیں۔

حضرت عمر ایک مرتبہ دھوپ میں مدینہ سے باہر جا رہے تھے حضرت علی سے ملاقات ہوئی تو پوچھا امیر المومنین اس کڑی دھوپ میں کہاں آپ نے فرمایا بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے اس کو تلاش کر رہا ہوں۔ تب حضرت علی نے فرمایا عمر آپ نے اپنے بعد میں آنے والوں کو تھکا دیا ہے۔ (۵۵)

(۵)حاجب اور دربان سے اجتناب:

اس عنوان کی مراد یہ ہے کہ عامۃ الناس اور Public Servant میں رابطہ آسان اور فوری ہو۔ اگر حفاظت کے نکتہ نظر سے کوئی انتظامی مسائل ہوں تو اس کے لیے وقت مقرر کیا جائے۔ کیوں کہ ان رکاوٹوں سے اگر

عوام کی خیر خواہی کے کاموں میں رکاوٹ آئے تو یہ بنیادی فرائض میں غفلت وکوتاہی ہے۔ارشادنبوی ہے:

عمرو بن مرہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا: ''اللہ جس شخص کو مسلمانوں کے کسی معاملہ کا سربراہ بنائے اور وہ ان کی ضرورت، ان کی شکایت اور ان کی حاجتوں کو پورا کرنے میں رکاوٹ بن جائے تو اللہ اس کی ضرورت وشکایت اور اس کی حاجت پوری کرنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے''۔(۵۶)

ایک دوسری روایت میں ہے: ارشادنبوی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''جسے لوگوں کے کسی معاملہ کی ذمہ داری سونپی جائے پھر وہ مسلمانوں یا مظلوموں یا حاجت مندوں کی ضرورتوں سے دروازے بند کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت وضرورت کے وقت جب کہ وہ انتہائی ضرورت مند ہو اپنی رحمت کے دروازے بند کر لیتا ہے''۔(۵۷)

حضرت عمر کے عمال کے لیے جو شرائط ہوتیں ان میں یہ بھی درج تھا۔ ولا تُغلِقوا اَبوَابَکُم دُونَ حَوَائِجِ النَّاسِ.(۵۸)

(۶) گروہ بندیوں سے احتراز:

ہمارے ہاں مختلف بنیادوں پر گروہ بندیاں ہیں Public Servant کا یہ فریضہ ہے کہ وہ تمام مذہبی، سیاسی، لسانی، علاقائی گروہ بندیوں سے آزاد ہو کر صرف امانت کی ادائی کے لئے اپنی خدمات سرانجام دے۔ کسی گروہ سے تعلق اسے عدل کرنے سے نہ روک سکے۔

درج بالا مباحث میں Public Servant کی اہمیت وحیثیت، انتخاب کے طریقے، بنیادی اوصاف وخصوصیات کا ذکر ہوا۔ یہ مباحث بذات خود ایک افسر کے کردار اور ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہیں اور اس حقیقت سے پردہ کشائی کرتے ہیں کہ یہ ذمہ داریاں آزمائش ہیں۔قرآن نے انتہائی بلیغ الفاظ میں فرمایا:

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.(۵۹)

(اور وہی اللہ ہے) جس نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے پر (مال وعزت ومرتبہ) میں کئی درجے بلند کیا تاکہ وہ تمہیں اس (مال ومرتبہ) میں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتاً) عطا کیا ہے۔ بے شک آپ کا رب (عذاب کے حقداروں کو) جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ ضرور (مغفرت کے امیدواروں کو) بڑا بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

مگر اس کے ساتھ ہی سورۃ العصر ایک ذمہ دار کے عملی کردار کا تعین کرتی ہے یہ سورہ ذمہ داران کا یہ کردار واضح کرتی ہے کہ بنیادی طور پر اپنی ذات ،اپنے شعبہ اور قوم کو خسارے سے نکال کر ترقی و کمال کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔اس کے لیے اس سورہ نے چار نکاتی فارمولا پیش کیا ہے کہ خسارے سے کس طرح نکل کر فلاح کی راہ اختیار کی جا سکتی ہے۔

ایمان: یہ تمام پروگراموں میں بنیادی قوت محرکہ ہے۔کیوں کہ اعمال عقائد وافکار کا عکس ہوتے ہیں۔

عمل صالح: فلاح وخوش بختی کے پروگرام کی دوسری بنیاد عملِ صالح ہے۔عمل صالح کا دائرہ صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ ہر وہ عمل جو فرد،شعبہ اور قوم کو ترقی کی اعلی منزل تک لے جائے۔یہ نتیجہ چند گنتی کے کام کرنے سے برآمد نہیں ہوگا۔"**الصلحت**" سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نوع کے تمام کام کرنے ہوں گے لیکن ایمان کی قوت کے سرچشمہ سے توانائی حاصل کرتے ہوئے۔

تواصی بالحق: حق سے مراد صحیح اور سچی بات کے علاوہ، اپنے اوپر واجب حقوق کی ادائی بھی ہے۔یہی چیز معاشرہ کو اخلاقی زوال وانحطاط سے بچاتی ہے۔

تواصی بالصبر: حق پر عمل کرنے اور حق کا علمبردار بننے میں جو موانع اور رکاوٹیں آئیں ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے تاکہ ترقی وعروج کا کارواں پیش رفت کر سکے۔

سعادت وخوش بختی کا یہ وہ کردار ہے جو ایک سرکاری ملازم کو پیش کرنا ہے۔ورنہ ''تیزی سے گذرتا ہوا ملازمت کا یہ زمانہ گواہ ہے کہ انسان خسارے میں ہے''۔

صحابہ ملاقات کے بعد جدا ہوتے تو اسی سورہ کی تلاوت کرتے:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْ بِالصَّبْرِo

حوالہ جات

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب مایکرہ من الحرص علی الامارت، رقم: ۷۱۴۹

(۲) ایضاً، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم: ۳۵۸۸

(۳) مسلم کتاب الامارة، باب کراهة الامارة بغیر ضرورة، رقم:۱۸۲۵

(۴) ایضاً

(۵) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب مایکره من الحرص علی الامارة رقم: ۷۱۴۸

(۶) ایضاً، کتاب الاحکام باب من لم یسأل الامارة اعنه الله علیها رقم:۷۱۴۶

(۷) ایضاً، کتاب الاحکام باب قول الله تعالیٰ اطیعواالرسول واولی الامرمنکم رقم:۷۱۴۶

(۸) ایضاً ،کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی..... رقم الحدیث: ۵۰

(۹) ایضاً ، کتاب الاماره باب فضیلة الامیر العادل،رقم:۱۸۲۷

(۱۰) عموماً پانچ مقاصد شریعه هی بیان کئے جاتے هیں. مگر عدل کو بهی کسی صورت میں نظر انداز نهیں کیا جا سکتا. مقاضد شریعه اور ان سے متعلقه تفصیلات کے لیے ملاحظه فرمائیں.شاطبی، ابواسحاق ابراهیم بن موسی، الموفقات، تحقیق الدکتور محمد الاسکندرانی جلد۲،ص:۲۰۲

(۱۱) النساء۴:۵۸

(۱۲) احمد بن حنبل، امام مسند احمد، جمله۶ ، ص :۲۹۴ ، رقم الحدیث:۲۷۰۵۶

(۱۳) البقرة۲:۲۴۷

(۱۴) یوسف۱۲:۵۵

(۱۵) البقرة۲:۲۴۷

(۱۶) القصص۲۸:۲۶

(۱۷) یوسف۱۲:۵۵

(۱۸) الاعراف۷:۲۶

(۱۹) البقرة۲:۱۹۷

(۲۰) الانفال۸:۲۹

(۲۱) الطلاق۶۵:۴

(۲۲) عراقی ، عبدالرشید، سیرت عمر بن عبدالعزیز ، فضلی بک ڈپو، کراچی ، ۲۰۰۸، ص :۱۲۷

(۲۳) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان رقم:۳۶

(۲۴) ایضا رقم:۳۷

(۲۵) ایضاً

(۲۶) المستدرک للحاکم جلد اول ص :۳۰، رقم الحدیث۵۸

(۲۷) صحیح الخاری ، کتاب الادب، باب: اذا لم تستحی فاصنع رقم :۶۱۲۰

(۲۸) عثمانی، شبیر احمد، فضل الباری، مکتبہ مدینہ لاھور۱۹۷۳ ، جلد اول، ص :۳۸۵

(۲۹) البانی، علامہ ناصر الدین، صحیح الترغیب والترھیب ، بیروت ۲۰۰۲ ،جلد اول ،ص :۱۰۶

(۳۰) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب تقبیل الحجر، رقم الحدیث:۱۶۱۰

(۳۱) محمد اقبال، علامہ، ارمغانِ حجاز، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاھور۱۹۷۵ ، ص:۴۶

(۳۲) سورۃالبقرۃ کی آیت ۱۴۳ کا مفھوم

(۳۳) الاحزاب۳۳: ۲۱

(۳۴) الاحزاب۳۳:۳۶

(۳۵) ابن قیم ،زاد المعاد (مترجم) ترجمہ: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی لاھور، ۱۹۹۰ء جلد۳، ص :۱۸۹

(۳۶) الحجرات۴۹: ۱

(۳۶.ل) یہ ابوالبیان سھروردی کا شعر ھے ان کا دیوان شائع نھیں ھوا. مختلف رسائل میں اس کی نعتیہ شاعری شائع ھوئی تھی. ان کا تعلق ملتان سے تھا.

(۳۷) ال عمران۳: ۱۵۹

(۳۸) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل رقم:۱۸۲۸

(۳۹) حوالہ سابق رقم:۱۸۳۰

(۴۰) خورشید احمد فاروق ، ڈاکٹر (مرتب)، حضرت عمر کے سرکاری خطوط، پرنٹ لائن پبلشرز، لاھور،۱۹۹۹ء، ص:۲۰۷

(۴۱) ابن ماجہ، کتاب الفتن، رقم :۳۹۳۲

(۴۲) المغردات بذیل مادہ

(۴۳) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب یاایھاالذین امنوا اجتنبوا کثیرا رقم الحدیث:۶۰۶۶

(۴۴) سنن ابوداؤد، رقم:۴۸۸۹

(۴۵) سنن ابوداؤد، کتاب الادب، رقم:۴۸۸۰

(۴۶) ایضاً رقم: ۴۸۸۱

(۴۷) لسان شوری المغروات بذیل مادہ

(۴۸) آل عمران۳: ۱۵۹

(۴۹) شوری۴۲: ۳۸

(۵۰) قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی، الجامع لاحکام القرآن دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ جلد ۴، ص: ۲۵۰

(۵۱) ایضاً

(۵۲) سرخسی، محمد بن احمد المسبوط ،دارالمعرفتہ بیروت ۱۳۹۸ھ جلد ۱۶، ص: ۸۲

(۵۳) مولانا سعید احمد،صدیق اکبر ص: ۳۲۲

(۵۴) خلیل الرحمان ، اسلام کا نظریہ محنت ، عارف پبلشر ،نظریہ محنت ص: ۶۴

(۵۶) سنن ابوداؤد ، کتاب الخراج والا مارۃ والفئ،باب فیما یلزم الامام من امرالرعیۃ رقم: ۲۹۴۸

(۵۷) مسند احمد رقم:۱۵۰۳۷

(۵۸) شعب الایمان جلد۶، ص:۲۴، رقم:۷۳۹۴

(۵۹) الانعام۶: ۱۶۵